

ادب، زندگی اور شمس الرحمن فاروقی

Literature, Life and Shamsur Rehman
Faruqi

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور

Dr. Nabeel Ahmed Nabeel, Assistant Professor, Dept.
of Urdu, University of Education, Lower Mall
Campus, Lahore

ڈاکٹر شیر علی، صدر شعبہ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Dr. Sher Ali, Chairman, Dept. of Urdu, Alhamd
Islamic University, Islamabad

ڈاکٹر عبدالعزیز ملک، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Abdul Aziz Malik, Assistant Professor, Dept. of Urdu, GC-
University, Faisalabad

Abstract

Society is a place where culture nourishes and each culture has specific traditions. Literature works as some sort of a mirror which reflects its culture and society in its own way. Life plays a pivotal role in determining the culture, society and literature. This article presents the indispensable relationship between literature and life with special reference to the views of Shamsur Rahman Faruqi, the renowned Urdu critic. *Lafz o Mani*(1968) is his first collection of critical essays which depicts his interest over literature, life and modernism. He is of the view that literature must be independent of any restriction imposed by either of the systems, theories and persons. Life is a broader canvas and literature is an evident part of life. Literature needs no formal announcement to describe its relationship with that of life. There are in general two major categories through which a literary work may be created i.e., Art for art's sake, and Art for life's sake. Shamsur Rahman Faruqi rejects either of the above-mentioned theories as he strictly promotes the freedom of literature and the writer as well.

Key words: Art for art's sake, art for life's sake, literature and culture, literature and language

کلیدی الفاظ: ادب برائے ادب، ادب برائے زندگی، ادب اور تہذیب، ادب اور زبان، ادب

اور مقصدیت

ادب کی اصطلاح عموماً ایسی تحریر کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس میں تخلیقی قوت بدرجہ اتم موجود ہو۔ یہ تخلیقی قوت ادب کو مخصوص کلچر اور زبان کا نمائندہ سمجھتی ہے جس کے اظہار کے لیے فن کے اصول موجود ہیں۔ یہ اصول اپنی تہذیب و ثقافت کے نمائندہ بھی ہوتے ہیں مگر غیر تہذیب کے اثرات نے ان کے برتنے میں تضادات پیدا کر دیے ہیں۔ جس طرح دنیا کی کوئی زبان، نسل اور کسی بھی خطے کا کلچر خالص نہیں رہے بالکل اسی طرح ادب کے لیے بھی خالص کا لفظ استعمال کرنا ممکن نہیں رہا۔ ادب زبان میں ایسی تبدیلیاں لاتا ہے جو منظم انداز سے روزمرہ تکلم سے انحراف کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ ادب محض خیالات کے اظہار کا آلہ ہی نہیں بلکہ یہ سماجی حقیقتوں کی خودکار طریقے سے عکاسی بھی کرتا ہے جس میں زندگی کے معاملات کو ادیب آزادانہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ یہ آزادانہ انداز اُس وقت مقید ہو جاتا ہے جب آزادی اور نظریے کے مابین فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ادب زندگی سے ہٹ کر نہیں رہ سکتا نہ ہی ادب مقصدیت کے اعتبار سے زندگی کا ترجمان یا عکاس ہوتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے پر اس قدر اثر ضرور رکھتے ہیں کہ کسی ایک کی تبدیلی دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یعنی زندگی ایک متحرک شے ہے جو بہت سی تبدیلیوں کا مجموعہ ہے اور یہی تبدیلیاں ادب کو زندگی عطا کرتی ہیں۔

اُردو ادب میں ادبی و سماجی تنقید کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اُردو تنقید کے تناظر میں اُن کی نمایاں تصانیف میں "لفظ و معنی" (1968)، "فاروقی" (1968)، "شعر، غیر شعر اور نثر" (1973)، "عروض، آہنگ اور بیان" (1977)، "افسانے کی حمایت میں" (1982)، "تنقیدی افکار" (1984)، "اثبات و نفی" (1986)، "تفہیم

غالب" (1989)، "شعر شورا نگیز (جلد اول)" (1990)، "شعر شورا نگیز (جلد دوم)" (1991)، "شعر شورا نگیز (جلد سوم)" (1992)، "انداز گفتگو کیا ہے" (1993)، "شعر شورا نگیز (جلد چہارم)" (1994)، "اُردو غزل کے اہم موڑ" (1997)، "اُردو کا ابتدائی زمانہ" (1999)، "غالب پر چار تحریریں" (2001)، "تعبیر کی شرح" (2004)، "صورت و معنی سخن" (2010)، اور "معرفت شعر نو" (2010) شامل ہیں۔ اس مقالے میں اُن کی ادبی تنقید کو ادب اور زندگی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے اُن کی خدمات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ ادب کے حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں جن کی بدولت ادب کو سمجھنا اور اُس کا تجزیہ کرنا ممکن ہو پاتا ہے۔ یہی ادبی نظریات وہ اصول اور بنیاد فراہم کرتے ہیں جن

کی مدد سے ادب پاروں کی تفہیم ہو پاتی ہے۔ اب کس نظریے کو اپنایا جائے اور کس کو ترک کر دیا جائے یہ ہر کسی کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کسی نظریے کی بنیاد پر ادب تخلیق کرنا بنیادی طور پر ادب کی خود مختاری اور ادیب کی آزادی پر حملہ ہے۔ شمس الرحمن فاروقی ادب برائے ادب یا اس طرح کے دوسرے نظریات کو ادب برائے زندگی کے مختلف پر تو اور بگڑے ہوئے پہلو (1) قرار دیتے ہیں۔ وہ ادب کو کیا ہونا چاہیے سے کیا ہے کی شاہراہ پر دیکھتے ہیں۔ ادب کو ادب کی بنیاد پر ہی پرکھا جائے نہ کہ کسی نظریے کی بنیاد پر۔

اس ضمن میں اُن کی رائے ملاحظہ ہو:

"اس تمام الجھاوے کی وجہ یہ ہے کہ سب ادیب اور نقاد اس مسئلے سے الجھے ہوئے ہیں کہ ادب کو کیا ہونا چاہیے؟ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ادب کیا ہے؟ اور اس کو حل کرنے کی صورت یہ ہے کہ بجائے نظری اور عملی تنقید کی خشک کتابوں کی ورق گردانی کی جائے، خود ادب ہی کو پڑھا اور پرکھا جائے۔" (۲)

ادب برائے زندگی کے نظریے کی ترجمانی بنیادی طور پر تین مختلف انداز سے ہوتی ہے۔ پہلا انداز ادب کو عصر حاضر کے مسائل کی ترجمانی کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ادب اپنے زمانے کے مسائل کو ادیب کے تجربات کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔ دوسرا ادب کو اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوئے دکھاتا ہے۔ ادیب جس ماحول میں پرورش پاتا ہے اُس ماحول کا اثر اُس پر خاطر خواہ دکھائی دیتا ہے۔ تیسرا تمام سیاسی نظریات کی عکاسی کرنے پر بضد ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں جن کی عکاسی بھی مجموعی اعتبار سے ادب کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے سامنے جب ادب کے موضوع کی بات ہوتی ہے تو اس ضمن میں وہ ادبی انتخاب کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"یہ بات قابل غور ہے کہ زندگی بذاتِ خود اتنی بامعنی اور اس کا تاثر خود اتنا شدید نہیں ہوتا کہ وہ ساری کی ساری ادب کا موضوع بن سکے۔ ادبی انتخاب بھی بڑی چیز ہے لیکن اس کے علاوہ ادیب اپنے تخیل میں زندگی کو اس ساحرانہ عمل سے گزارتا ہے جس کو تجنید (Sublimation) یا تشدید (Intensification) کہہ سکتے ہیں۔ اس تجنید و تشدید کے بغیر زندگی کا کچا مسالہ ادب میں کام نہیں آسکتا۔ ترقی پسند ادیب اس نکتہ کو اکثر و بیشتر نظر انداز کر گئے ہیں۔ اس تجنید و

تشدید کے عمل ہی کے ذریعہ افسانہ کے کردار کو زندگی اور شعر کے مضامین کو روح نصیب ہوتی ہے۔" (۳)

ادب کی حدود نہایت وسیع ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ادبی موضوعات کو مخصوص اور محدود نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح زندگی کی وسعت مختلف رنگوں سے مزین ہے بالکل اسی طرح ادب کے موضوعات میں بھی رنگارنگی موجود ہے۔ ادب اور زندگی دونوں کا تعلق سماجی عمل کی بدولت مزید قربت اختیار کر لیتا ہے۔ زندگی اور ادب دونوں میں انفرادیت اور سماجیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ادب کی یہی سماجیت ادیب کے انفرادی جذبات و احساسات کی بھی ترجمان ہے۔

ڈاکٹر احمد بختیار اشرف اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"ادب کا آج تک کوئی موضوع متعین نہیں کیا جا سکا۔ اس لیے کہ اس کا کوئی ایک موضوع ہے ہی نہیں۔ ادب کا موضوع زندگی ہے۔ زندگی بڑی متنوع ہوتی ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں۔ معاشرتی، معاشی، سماجی، اخلاقی، تعلیمی، مذہبی غرض زندگی گونا گوں کیفیات کی حامل ہے اور زندگی کی یہی گونا گونی اور تنوع ادب کا موضوع ہے۔" (۴)

شمس الرحمن فاروقی کے خیال میں زندگی اُسی وقت ادب کا موضوع بن سکتی ہے جب یہ انتخاب کے عمل سے ہو کر گزرے اور یہ کام ادیب بہتر انداز سے سرانجام دے سکتا ہے۔ اس ضمن میں شرط یہ کہ انتخاب کے عمل سے زندگی کے وہی پہلو گزریں گے جو تخیل کی پرواز کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ادب کا موضوع اس مرحلے سے گزرتا ہے تو اُن کے نزدیک ادب میں نظریے کی اہمیت و ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ نظریہ چوں کہ تمام مضامین پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتا ہے لہذا مذکورہ صورت میں نظریے کا اطلاق ادب اور ادیب پر یکساں طور پر ممکن نہیں ہو پاتا۔

اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"یہاں پر یہ سوال بھی اُٹھ سکتا ہے کہ ادب میں نظریہ کی کیا اہمیت یا ضرورت ہے۔ اگر ادب کا موضوع اس عمل سے بنتا ہے جس کا میں اب تک ذکر کرتا رہا ہوں تو نظریہ (میری مراد کسی سیاسی یا فلسفیانہ نظریہ سے ہے) ادب میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر ادیب زندگی کے صرف ہزاروں یا لاکھوں حصے کو پرکھتا ہے برتا ہے اور وہ بھی اُس کو عمل انتخاب و تجلید و تشدید سے گزار کر، تو پھر ہر سیاسی یا غیر سیاسی نظریہ بے

معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر یہ ممکن بھی ہو کہ اُس فلسفہ کا اطلاق کسی ایک خاص موضوع یا افسانے پر ہو سکے تو یہ بہر حال ممکن نہیں کہ ہر ایک پر ہو سکے اور نظریہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تمام مضامین و تجربات پر یکساں حاوی ہو۔ ادیب اپنے تخیل اور مشاہدہ کی رو سے جو کچھ سوچتا اور سمجھتا ہے اُس پر نظریہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ادیب کے اپنے معتقدات اور زندگی سے اخذ کیے ہوئے نتائج اُس کے ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ہر بڑا ادیب ان ٹیڑھی میڑھی راہوں سے بچ کر ہی چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں بھی میرا خیال یہ ہے کہ فلسفہ اور نظریہ ادب کو اس نہیں آتے۔" (۵)

ادب میں مقصدیت کی جہاں تک بات ہے تو زندگی کی طرح یہ بھی وسیع القلب ہے۔ ادب میں مقصدیت کا تعلق براہ راست تخلیقیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر دونوں کے مابین اعتدال ہو تو ادب میں تشدد کا رجحان نہیں پایا جاتا اور نہ ادب میں تشدد کے عناصر نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ادب کا کسی مقصد کے تحت وجود میں آنا اگر تخلیقی رجحان کے بغیر ہو تو یہ اندھی تقلید کو جنم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں افادی اور تخلیقی رجحان معتدل ہونے ضروری ہیں۔

اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

"اول تو انسانی زندگی کی طرح ادب کا مقصد بھی سمت اور تنوع (Dimension and Variety) دونوں اعتبار سے لامتناہی ہے دوسرے یہ کہ اگرچہ بغیر مقصد کے کسی زمانے میں بھی کوئی ادب پیدا نہیں ہوا ہے (یہ مقصد شعوری ہو یا غیر شعوری) لیکن یہ بھی اپنی جگہ نہایت اہم حقیقت ہے کہ صرف مقصد کا نام کبھی ادب نہیں رہا۔ مقصد میں جب تک ایک تخلیقی مثبت (Creative Plus Sign) کا اضافہ نہ ہو وہ ادب نہیں ہوتا۔" (۶)

شمس الرحمن فاروقی کے خیال میں ادیب کا تجربہ اور احساس ادب کے لیے بنیاد کا کردار ادا کرتے ہیں۔ نیوٹن کے عمل اور ردِ عمل کے قانون کے علامتی استعمال سے تجربہ، عمل اور احساس، ردِ عمل کا روپ دھار لیتے ہیں۔ عمل اور ردِ عمل کا یہ معاملہ شعوری اور غیر شعوری دونوں سطحوں پر چلتا رہتا ہے۔ اس کے بعد تخیل کا کردار سامنے آتا ہے جو بنیادی طور پر ادیب کے تخلیقی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ غیر متعلقات کو متعلقات بنا کر پیش کرنے کا عمل بنیادی

طور پر تخیل کا ہی ہے۔ نغمہ، موسیقی یا فقرہ بندی اس اعتبار سے اہم ہیں کہ ان کی مدد سے تجربات کی نقاب کشائی میں سہولت رہتی ہے۔ آخر میں اضطرابی و بے قراری کی کیفیت ماحول کے مطابق اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔

ادب کے مقصدی تناظر میں شمس الرحمن فاروقی نے ایک کلیہ پیش کیا ہے:
 "تجربات اور محسوسات جو ذہن میں واضح اور غیر واضح طریقہ سے ہر
 وقت مرتب ہوتے رہتے ہیں اور جو تخیل اور نغمہ کی آنچ میں پکتے رہتے
 ہیں، کسی نہ کسی وقت باہر اُٹھ آنے کے لیے بے قرار ہو اُٹھتے
 ہیں۔" (۷)

ادب اور زندگی کی وسعتیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ زندگی کے ہر
 معاملے کا اظہار ادب کے ذریعے سے نہیں ہوتا بلکہ زندگی کا سب سے بڑا شعبہ ادب کی صورت
 میں ہمارے سامنے آشکار ہوتا ہے۔ ادب اپنے اندر اپنی تاریخ اور اپنے ماحول کو جذب کر لیتا
 ہے جس سے تہذیب و ثقافت کی ترجمانی ہوتی ہے۔ یہاں سے معاشرے کا کردار سامنے آتا
 ہے جو زندگی کا محور و منبع ہے۔ معاشرے میں ہی زندگی کے مقاصد پنہاں ہوتے ہیں اور یہیں
 سے ادب بھی اپنی راہیں متعین کرتا ہے۔ اس لیے ادب اور زندگی کے مقاصد کافی حد تک
 مشترک ٹھہرتے ہیں۔

ادب اور زندگی کے تناظر میں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری لکھتے ہیں:

1۔ ادب زندگی کا ایک شعبہ ہے اور اپنے ماحول کا ترجمان ہے۔

2۔ زندگی اور ادب کے مقاصد ایک ہیں۔ (۸)

زبان اظہار کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں یکساں اہمیت کا حامل
 ہے۔ ادب کے اظہار کے لیے بھی زبان کا میڈیم استعمال کیا جاتا ہے۔ زبان کے اسی میڈیم کے
 اُسلوب کی مدد سے ادبی اور غیر ادبی زبان کا فرق واضح انداز سے کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر ادب کا
 اُسلوب اور سائنس کا اُسلوب واضح طور پر ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔
 زبان کا استعمال ان دونوں میں فرق کرنے کی راہ میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ لیکن دوسری
 طرف ادب کے اندر زبان برتنے کے مختلف انداز ادبی اُسلوب کے دامن کو مزید وسعت بخشتے
 ہیں۔ ادب کی نشوونما زبان کے آزادانہ استعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور ادب کے لیے پابندیوں سے آزاد زبان کو اہمیت دیتے ہیں:

"ادب میں جان ایک زندہ، ترقی پذیر اور پلک دار زبان سے آتی ہے۔

زبان کی بڑھوتری پر زیادہ پابندیاں عائد نہ ہونے دیجیے۔" (۹)

ڈاکٹر احمد بختیار اشرف ادب اور زندگی کے رشتے کو دائمی قرار دیتے ہوئے لکھتے

ہیں:

"ادب اور زندگی کا رشتہ دائمی ہے۔ ادب کا سرچشمہ حیات ہے۔ حیات ہی سے اس کے سوتے پھوٹے، ادب پھول ہے تو زندگی اس کی مہکار۔ ادب جسم ہے تو زندگی اس کی روح۔ ادب دل ہے تو زندگی اس کی دھڑکن اور جس روزیہ دھڑکن بند ہوگئی ادب کی موت واقع ہو جائے گی۔" (۱۰)

ادب کی کامیابی کا دار و مدار ادیب کے ساتھ ساتھ نقاد اور قاری پر بھی منحصر ہوتا ہے جس میں ماحول، سماج، کلچر، زبان اور نظریات سب مل کر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری ادب کی کامیابی کے لیے حال اور مستقبل، واقعیت اور تخلیقیت، افادیت اور جمالیات، اجتماعیت اور انفرادیت، اور ذوقِ حسن اور ذوقِ عمل جیسے پانچ اصطلاحات کے جوڑے استعمال کرتے ہیں۔

اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"کامیاب ترین ادب وہ ہے جو حال کا آئینہ اور مستقبل کا اشاریہ ہو، جس میں واقعیت اور تخلیقیت، افادیت اور جمالیات ایک آہنگ ہو کر ظاہر ہوں، جس میں اجتماعیت اور انفرادیت دونوں مل کر ایک مزاج بن جائیں، جو ہمارے ذوقِ حسن اور ذوقِ عمل دونوں کو ایک ساتھ آسودہ کر سکے، اب تک ادب جو کچھ بھی رہا ہو لیکن اب اُس کو یہی ہونا ہے۔" (۱۱)

زندگی کے مختلف امکانات دراصل خواب و خیال کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ زندگی کے یہی امکانات واقعات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ادیب کی شخصیت زندگی کے انہی مختلف امکانات کو اپنی تخلیقی قوت کے بل بوتے ادب کی صورت میں ہمارے سامنے لاتی ہے۔ ادب اور حقیقت کے تناظر میں بات کرتے ہوئے انجم اعظمی ادب میں حقیقت کے تین مختلف معنی بیان کرتے ہیں جس میں واقعہ، واقعیت اور زندگی کی ماہیت شامل ہیں۔

اس ضمن میں وہ رقمطراز ہیں:

"جب حقیقت کا لفظ واقعہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے تو ہم اس سے مراد لیتے ہیں کہ جو کچھ زندگی میں ہو رہا ہے اُس کی عکاسی ادب میں بھی ہو رہی ہے اور حقیقت کے اسی مفہوم کو سامنے رکھ کر ادب کی ایک

تعریف یہ کی گئی ہے کہ خواب اور حقیقت (واقعہ) کے امتزاج کا نام ادب ہے یعنی آدمی کا تخیل ادب کی صورت میں واقعہ کی از سر نو تخلیق کرتا ہے اور زندگی میں جس چیز کو واقعہ کا نام دیا گیا ہے وہ ایک نئی صورت پالیتا ہے۔" (۱۲)

ادب کا مقصد حقیقت کی ترجمانی کرنا نہیں ہے اور نہ ہی حقیقت ادب کے ذریعے سے آشکار کی جاسکتی ہے۔ یہ کوئی ریاضی کا فارمولا نہیں جو دو جمع دو چار کر کے سیدھی سادھی حقیقت کا بیان کر دے۔ یہ تو فنی خصوصیات کے ایسے مجموعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو تخلیقی قوت کے بل بوتے پر اپنی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ زندگی کے مختلف واقعات تسلسل کے ساتھ ادب میں بیان تو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر فنی خوبیوں کے بنا ان کا اظہار ادھورار ہوتا ہے۔ ادیب ایسا کرتے ہوئے چاہے کتنا ہی سچائی کا سہارا کیوں نہ لے، ادب فن کے بنا ادب کا رتبہ نہیں پاسکتا۔

ڈاکٹر اعجاز حسین کے نزدیک:

"واقعات کتنے ہی اصلیت کا پہلو لیے ہوں اور کتنی ہی سچائی کے ساتھ ان کا بیان کیا جائے مگر بغیر فنی خوبیوں کے کامیابی کا دروازہ بیان کرنے والے کے ادب پر بند ہی رہے گا۔" (۱۳)

محض سچائی کا اظہار کر دینے سے کوئی بھی تحریر ادب کے مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتی۔ ادب کا تعلق زندگی سے جوڑتے ہوئے بسا اوقات زندگی کو تصوراتی اور حقیقی دو زندگیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ادب کو تصوراتی یا خیالی زندگی سے جوڑتے ہوئے اُسے حقیقی زندگی سے دور دکھانے والا نظریہ اور اُس کے برعکس نظریہ، ادب کی تفہیم کی خاطر ہی پیش کیا گیا ہے۔ ادب کو سمجھنے کے لیے کسی ایک نظریے پر اکتفا کر لینا ادب کی وسعت میں کمی لانے کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے یا تو نظریات سے مدد لیتے ہوئے خود اپنی راہ نکالی جائے یا پھر شمس الرحمن فاروقی کے خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے زندگی سے انتخاب اس انداز سے کر لیا جائے کہ نظریے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور ادب اپنی تخلیقیت اپنے چاہنے والوں کے لیے نکھارتا رہے۔ ادب زندگی کا لازمی جزو ہے جس سے زندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی ادیب کی مکمل آزادی کے قائل ہیں اور اُس پر کسی بھی قسم کی پابندی کے خلاف ہیں۔

اس تناظر میں اُن کی رائے ملاحظہ ہو:

"ادب اور زندگی کے تعلق کے بارے میں کوئی نئی یا غیر معمولی بات کہنا ناممکن ہے کیوں کہ دنیا میں انسان کے جو تمام اعمال اور مصروفیتیں

ہیں اُن سب کی ایک پوری شکل ہے۔ اُن میں ادب بھی شامل ہے اور نوکری اور بزنس وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ایسا ضروری نہیں کہ ہم الگ سے ثابت کریں کہ ادب زندگی کا حصہ ہے یا ادب کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہیے۔ مشکل وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں ہم یہ اصرار کریں کہ ادب کو زندگی کا ایک خاص طریقے سے ترجمان ہونا چاہیے یا ہم ادیب پر کوئی پابندی عائد کریں کہ تم زندگی کی ترجمانی اس طرح سے کرو جس طرح سے ہم چاہتے ہیں۔" (۱۴)

عمل اور رد عمل کا رجحان تو زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتا ہے۔ ادب میں بھی عموماً یہ رجحان دیکھنے کو ملتا ہے کہ کسی تخلیق کے رد عمل میں دوسری تخلیق سامنے آتی ہے۔ رد عمل کے ادب کو ایک مخصوص نظر سے دیکھنے کا عمومی رجحان پایا جاتا ہے۔ کسی فن پارے کو جانچنے کا معیار ادبی اصول ہوتے ہیں نہ کہ وہ رد عمل جس کی بنیاد پر کوئی فن پارہ تخلیق کیا گیا ہوتا ہے۔ ادبی تخلیق کے بارے میں پائے جانے والے تاثرات یا وہ فنی اصول اور معیار جو کسی نقاد کے پیش نظر ہوتے ہیں، وہ رد عمل کے تضاد سے پاک ہونے چاہئیں۔ تب ہی کہیں جا کر کسی فن پارے کی قدر و قیمت سے متعلق نقاد کی رائے کسی حد تک غیر جانبدارانہ ہو سکتی ہے۔ یہی اصول کسی بھی ادب پارے کے قاری پر بھی لاگو ہوتے ہیں کہ وہ اپنی رائے خود قائم کرے نہ کہ کسی نقاد کی رائے کی بنیاد پر اپنا موقف قائم کرے۔ نقاد کا کمال کسی ادب پارے سے متعلق اُس وقت تک سامنے نہیں آسکتا جب تک کہ وہ اپنا راستہ خود نہ نکالے اور اس ضمن میں ادب پارہ ہی اُس کی رہنمائی کرے گا نہ کہ کوئی نظریہ جو بظاہر کتنا ہی سہانہ کیوں نہ لگے۔

شمس الرحمن فاروقی اس حوالے سے رائے رکھتے ہیں:

"کسی رویے کو درست قرار دینا میرا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو دیکھنا ہے کہ جو فن پارہ آپ کے سامنے ہے وہ آپ کے لیے کسی قدر کا حامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کو مسترد کر دینا چاہیے۔ مسترد کرنے کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ فن پارہ میرے لیے کسی قدر کا حامل نہیں ہے۔ یہ وجہ نہیں ہوگی اور نہیں ہونی چاہیے کہ چون کہ ہمارے رد عمل میں لکھا گیا ہے لہذا ہم اسے فن پارہ نہیں مانیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے رد عمل کے طور پر میں کوئی چیز بنا دوں جو آپ کی چیز سے اچھی بنے یا خراب بنے تو اس رد عمل کے پیچھے ایک قوت ہوئی جو مجھ کو دوڑا رہی ہے لیکن اس قوت کو Judge کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ

ہے کہ اس کے نتیجے میں جو بنا ہے اگر وہ آپ کے فنی معیار سے آپ کے تاثرات کے اعتبار سے کامیاب ہے تو آپ کہیے کہ ہاں صاحب آپ نے کامیاب نظم کہی ہے۔ کامیاب فن پارہ بنایا ہے اور اگر کامیاب نہیں ہے تو کہیے کہ ردی ہے۔ لیکن اس بنا پر آپ ردی نہ کہیں کہ صاحب آپ نے چوں کہ رد عمل میں کہی ہے لہذا یہ نظم ردی ہے۔" (۱۵)

ادب اور سماج کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ نہایت گہرا ہے اور سماج تہذیب کے بغیر نامکمل ہے۔ ادب، سماج اور تہذیب کا محور و مرکز زندگی ہے۔ جس طرح پتھر کے دور سے ہوتا ہوا انسان تبدیلیوں کے مسلسل عمل سے گزرتا ہوا سائنس اور ٹیکنالوجی کے موجودہ دور میں داخل ہوا ہے بالکل اسی طرح انسانی زندگی، سماج اور تہذیب نے بھی ہر دور میں کروٹ بدلی ہے۔ اب ان سب کی عکاسی چوں کہ ادب میں لا محالہ ہوتی رہی ہے لہذا یہ کہنا بالکل بجائے ہے کہ ادب نے بھی اپنے رنگ بدلے ہیں۔ زندگی کے بارے میں مشاہدات و تجربات کا ادب میں بیان ادب کی سماجیات کا اہم موضوع رہا ہے۔ ادب کی سماجیات کی عمارت تہذیب کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ ادیب چوں کہ کسی تہذیب کا نمائندہ ہوتا ہے لہذا وہ اپنی تہذیب کی روایات میں ادب کو تخلیق دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب کی روایات تبدیل ہونے سے ادب کی سماجیات بھی تبدیل ہو جاتی ہے اور دنیا کی مختلف تہذیبوں اور ان کے ادب کا بیانیہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جو برتر اور کم تر جیسی اصطلاحات سے مبرا ہوتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کی تنقید میں تہذیب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

اس ضمن میں ان کی رائے ملاحظہ ہو:

"ایسا ضروری نہیں ہے کہ دنیا کو ہم اُسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح وہ ہمیں نظر آتی ہے۔ بلکہ دنیا کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے جس طرح بیان کرنے کی رسمیات ہیں۔ یعنی بیان کرنے کے جو طریقے اور حقیقت کو منظم کرنے کے جو اصول کسی تہذیب میں رائج ہیں۔" (۱۶)

ادب اور زندگی میں نہایت گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ زندگی اس اعتبار سے ادب کا موضوع رہتی ہے چوں کہ ادب کو بنیادی خام مال زندگی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس خام مال کو ادب فن کی مہارت کے ساتھ خود میں سموتا ہے۔ ادیب اپنے تخیل، جذبات، احساسات اور تجربات کی روشنی میں جو کچھ تخلیق کرتا ہے وہ ادب کہلاتا ہے۔ ادب میں مقصد کو تلاش کرنا یا کسی مقصد کے تحت ادب کو تخلیق کرنا اب کوئی اہم مسئلہ نہیں رہا بلکہ اصل مسئلہ تو اس اجتماعی شعور یا سوچ کا ہے جو کسی مخصوص معاشرے میں پروان چڑھتی ہے۔ اسی کا اہم بلکہ لازم حصہ

خود ادیب کی ذات بھی ہوتی ہے۔ نظریات کی روشنی میں ادب تخلیق پائے یا پھر ادیب کی کمال مہارت زندگی سے موضوع کا انتخاب کر لے، قبولیت یا کامیابی کا انحصار معاشرے کے ایک مخصوص طبقے پر ہوتا ہے۔ یہ طبقہ معاشرے کے ادبی رجحانات پر اپنا خاص اثر رکھتا ہے اور معاشرے کی ترجمانی کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی رجحانات اس طبقے کے باعث فروغ پاتے ہیں۔ اب یہ بات لازم نہیں کہ یہ طبقہ ادبی رجحانات کا حامل بھی ہو کیوں کہ سائنس و ٹکنالوجی اور تجارتی دنیا کے اس دور کشاکش میں اقتصادیات کا پلڑا ہر شے پر حاوی نظر آتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ فن کے اصول جو ادب کی بنیاد میں کار فرما ہوتے ہیں، ملٹی کلچرل ازم، سماجیات، زبان، زندگی اور ایک دوسرے سے متضاد نظریات، ادب کو متنوع اور رنگین بنانے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ ادب، ادیب اور نقاد میں سے بات کسی بھی ہوشمندانہ شخص نے بحیثیت ادیب اور نقاد ہر ایک کی آزادی کا نعرہ ہی بلند کیا ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ شمس الرحمن، فاروقی، لفظ و معنی، الہ آباد: شب خون کتاب گھر، 1968، ص 10
- ۲۔ ایضاً، ص 11
- ۳۔ ایضاً، ص 13
- ۴۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2011، ص 22
- ۵۔ شمس الرحمن، فاروقی، لفظ و معنی، الہ آباد: شب خون کتاب گھر، 1968، ص 16
- ۶۔ مجنوں، گور کھپوری، ادب اور زندگی، علی گڑھ: اُردو گھر، 1964، ص 38
- ۷۔ شمس الرحمن، فاروقی، لفظ و معنی، الہ آباد: شب خون کتاب گھر، 1968، ص 25
- ۸۔ اختر حسین، رائے پوری، ڈاکٹر، ادب اور انقلاب، حیدر آباد، دکن: ادارہ اشاعت اُردو، 1943، ص 23
- ۹۔ آل احمد، سرور، پروفیسر، تنقید کیا ہے، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 2011، ص 109
- ۱۰۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2011، ص 24
- ۱۱۔ مجنوں، گور کھپوری، ادب اور زندگی، علی گڑھ: اُردو گھر، 1964، ص 68
- ۱۲۔ انجم اعظمی، ادب اور حقیقت، کراچی: اشاعت گھر، 1979، ص 19
- ۱۳۔ اعجاز حسین، ڈاکٹر، ادب اور ادیب، الہ آباد: ادارہ انیس اُردو، 1960، ص 7
- ۱۴۔ شمس الرحمن، فاروقی، شمس الرحمن فاروقی سے بے تکلف گفتگو (مشمولہ)، نئی دہلی: کتاب نما، شمارہ، شمس الرحمن فاروقی (شخصیت اور ادبی خدمات)، نومبر 1994، ص 50
- ۱۵۔ ایضاً، ص 56
- ۱۶۔ رحیل صدیقی، فا / رُوقی محو گفتگو (مرتبہ)، نئی دہلی: رونا کتاب گھر، 2004، ص 72